(فرمودہ ۱۴؍اکتوبر ۱۹۴۸ء بمقام منٹو پارک لاہور)

رسُول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا طریق تھا کہ عیدالاضحیہ کے موقع پر آپ نماز کے بعد اس قربانی کے گوشت سے جو آپ پیش کرتے تھے ناشتہ فرماتے تھے۔ اس لئے عیدالاضحیہ کا خطبہ عیدالفطر کی نسبت مختصر کیا جاتا ہے۔ تا کہ جو لوگ اس سنت اور تعامل کی اتباع کرنا چاہیں وہ اس پر عمل کر سکیں۔ گو شہروں میں یہ بات آجکل ناممکن ہوگئی ہے بوجہ اس کے کہ قربانیاں قریب میں نہیں کی جاسکتیں۔ دوسرے اتنے بڑے بڑے شہر بن گئے ہیں کہ باہر جا کر نماز پڑھنے اور پھر واپس آنے میں ہی بارہ ایک بج جاتے ہیں۔

یہ عید جو عیدالاضحیہ کہلاتی ہے یعنی قربانیوں کی عید کس طرح شروع ہوئی اور کس واقعہ کی یاد میں مقرر ہوئی۔ یہ ایک ایسا مسئلہ ہے جو ہمیشہ مسلمانوں میں بیان ہوتا چلا آیا ہے اور قریباً تمام تعلیم یافتہ لوگ اس سے واقف ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بیٹے کی قربانی پیش کی ایک رؤیا کی بناء پر، ایک ارشاد الہٰی کی بناء پر۔ اور خدا نے ان کے اس فعل کو پسند فرما کر حکم دیا کہ تم بکرے کی قربانی کرو۔ بیٹے کی قربانی نہ کرو۔ میں کئی دفعہ بیان کر چکا ہوں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خواب میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو یہ دکھائی دیا تھا کہ اپنے بیٹے کو قربان کر رہے ہیں اس کی کیا تعبیر تھی۔ میں بارہا بتا چکا ہوں کہ بیٹے کی قربانی کا یہ مطلب نہیں تھا کہ چھری لے کر اپنے بیٹے کو ذبح کر دو بلکہ مطلب یہ تھا کہ دین کی خدمت کے لئے اپنے بیٹے کو وقف کر دو۔ دنیوی ترقیات کے رستہ کو چھوڑ دینا۔ دنیوی عزتوں پر لات مار دینا اور دنیوی کامیابیوں کے حصول کے تمام ذرائع کو نظر انداز کر دینا ایک بہت بڑی موت ہوتی ہے جو بسا اوقات دوسری موت سے زیادہ سخت معلوم ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بہت سے لوگ دوسری موت کو تو قبول کر لیتے ہیں لیکن اس موت کو قبول کرنے کے لئے تیار نہیں ہوتے۔ کیونکہ اس میں احساسِ اذیت بہت لمبا ہوتا ہے اور ایک لمبے عرصہ تک انسان کو تکالیف میں مبتلا رہنا پڑتا ہے۔ بہرحال حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس زمانہ کے لحاظ سے خدا تعالیٰ کے حکم اور ارشاد کو جس رنگ میں سمجھا اس پر عمل کرنے کے لئے تیار ہو گئے۔ اس زمانہ میں چونکہ عام طور پر انسانوں کی قربانیاں کی جاتی تھیں اس لئے وہ بھی اپنے بچے کو ظاہری رنگ میں قربان کرنے کے لئے تیار ہو گئے لیکن اللہ تعالیٰ کا منشاء یہ تھا کہ وہ انسانی قربانی کسی نبی کے ذریعہ سے روک دے۔ اور

اسی لئے اس نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو یہ نظارہ دکھایا کہ وہ اپنے بیٹے کو قربان کر رہے ہیں اس طرح دونوں فائدے ہو گئے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ایمان کا بھی ایک روشن ثبوت دنیا کو مل گیا اور دوسری طرف ہمیشہ کے لئے یہ بات مذہب کا جزو بن گئی کہ انسان کی قربانی کسی صورت میں بھی جائز نہیں، خواہ وہ اپنا بیٹا ہی کیوں نہ ہو۔

یہ عید اس خوشی میں منائی جاتی ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بیٹے کی قربانی خدا تعالےٰ کی راہ میں پیش کی لیکن ہماری یہ حالت ہے کہ ہم ان کے ذبحہ کی قربانی کو تو یاد رکھتے ہیں لیکن ہمارا ذہن اس طرف بالکل نہیں جاتا کہ ہم کس چیز کی یاد مناتے ہیں اور کس چیز کی یاد دلاتے ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دو قربانیاں تھیں۔ ایک وہ قربانی جو انہوں نے اپنے بیٹے کی کی اور ایک وہ قربانی جو انہوں نے بکرے کی کی۔ بکرے کی قربانی محض یادگار کے طور پر تھی تاکہ جو حقیقی قربانی انہوں نے پیش کی تھی اس کی ایک ظاہری شکل بھی پیدا کر دی جائے۔ اصل قربانی ان کی یہی تھی۔ کہ اِنِّیۡۤ اَسۡکَنۡتُ مِنۡ ذُرِّیَّتِیۡ بِوَادٍ غَیۡرِ ذِیۡ زَرۡعٍ میں نے اپنی نسل کو خدا واحد کی یاد اور اس کے ذکر کے لئے ایک ایسی جگہ بسا دیا ہے جہاں دنیوی آمد کا کوئی ذریعہ نہیں اور جہاں کی زندگی دنیوی مال و متاع کے کمانے میں ممد نہیں ہو سکتی۔ یہ قربانی تھی جو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کی لیکن اس کی یاد کے طور پر خدا تعالےٰ نے یہ بھی فرما دیا کہ تم بکرے کی قربانی کرو۔ (اس موقع پر ایک احمدی نوجوان نے کھڑے ہو کر حضور کا فوٹو لینا چاہا۔ اس پر حضرت امیر المؤمنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالےٰ بنصرہ العزیز نے سخت ناراضگی کا اظہار فرمایا۔ اور اس نوجوان کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا۔ میاں اپنے کیریکٹر مسلمانوں والے بناؤ۔ یورپ تمہارا آقا نہیں محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم تمہارے آقا ہیں۔ کہیں تم نے پڑھا ہے کہ محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم بھی اس طرح کیا کرتے تھے۔ کیا چھوٹی چھوٹی باتیں ہیں جن کے پیچھے تم پڑے ہوئے ہو۔ تمہیں بتایا یہ جا رہا ہے کہ تم اسمٰعیلؑ کی طرح اپنی جانیں قربان کرو اور تم کام وہ کرتے ہو جو محض تعیّش کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں۔ اس کے معنے یہ ہیں کہ نہ تم میری باتیں سنتے ہو اور نہ ضرورت سمجھتے ہو کہ سنو۔ اگر میرے ایک لفظ پر بھی تم عمل کر لو تو تمہاری اور تمہاری اولادوں کی زندگی سنور جائے۔ لیکن اگر میرا دس ہزار فوٹو بھی تمہارے پاس موجود ہو تو وہ تمہیں ایک پیسے کا بھی فائدہ نہیں پہنچا سکتے۔ محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کا فوٹو ہمارے پاس نہیں، پھر ہمیں کیا نقصان ہو گیا۔ اسی طرح اگر میرے فوٹو مٹ جائیں گے تو کیا نقصان پہنچ جائے گا)

اس کے بعد پھر سلسلہ تقریر جاری رکھتے ہوئے حضور نے فرمایا:۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دو فعل کئے تھے ایک انہوں نے اپنے بیٹے کی قربانی پیش کی اور دوسرے اس کی یاد میں انہوں نے بکرے کی قربانی پیش کی۔ مگر آج کے دن مسلمان کیا کرتے ہیں۔ وہ بکرے کی قربانی تو پیش کرتے ہیں لیکن بیٹے کی قربانی بھول جاتے ہیں۔ یہ ایسی ہی بات ہے۔ جیسے کہتے ہیں کہ ایک خادمہ رمضان کے دنوں میں باقاعدہ سحری کے وقت اپنی مالکہ کے ساتھ اٹھتی اور پھر سحری تو کھالیتی مگر روزہ نہیں رکھتی تھی۔ گھر کی مالکہ ایک شریف اور رحمدل عورت تھی اس نے خادمہ کی اس حالت کو دیکھ کر سمجھا کہ یہ شاید ہماری خدمت کے لئے اُٹھتی ہے اور چونکہ اس وقت ہمارے پاس بیٹھی ہوئی ہوتی ہے اس لئے سحری بھی کھالیتی ہے۔ چنانچہ دو چار دن کے بعد مالکہ نے اس خادمہ سے کہا کہ بیٹی تو رات کو نہ اُٹھا کر۔ ہم خود کام کر لیا کریں گے۔ تجھے بلا وجہ تکلیف ہوتی ہے۔ اس پر وہ لڑکی بڑی سادگی سے کہنے لگی کہ بی بی اتنا تو سوچو کہ روزہ میں نہیں رکھتی۔ نماز میں نہیں پڑھتی۔ اگر سحری بھی نہ کھاؤں تو کافر ہی ہو جاؤں۔ اس مثال پر تم سب ہنس پڑے ہو۔ لیکن کیا تم سوچتے نہیں کہ تمہاری بھی یہی حالت ہے۔ کہ تم اپنے بیٹے کو وادیٔ غیر ذی زرع میں رکھنے کے لئے تیار نہیں ہوتے۔ تم اپنے بیٹے کو اللہ تعالےٰ کی راہ میں قربان کرنے کے لئے تیار نہیں ہوتے۔ گویا روزہ تم نہیں رکھتے، نماز تم نہیں پڑھتے، لیکن بکرے کی قربانی کرنے اور اس کا گوشت کھانے کے لئے فوراً تیار ہو جاتے ہو۔ اور تم پر بھی وہی مثال صادق آتی ہے کہ اگر میں سحری بھی نہ کھاؤں تو کافر ہی ہو جاؤں۔

حقیقت یہ ہے کہ کوئی نسل اور کوئی قوم اور کوئی خاندان اس وقت تک ترقی نہیں کر سکتا جب تک وہ اپنی اولاد کی قربانی پیش نہ کرے۔ جس طرح کوئی زمیندار اس وقت تک کامیاب نہیں ہو سکتا جب تک وہ اپنے حاصل شدہ غلّہ کی قربانی نہ کرے۔ زمیندار ہل چلاتا، زمین کو نرم اور ہموار کرتا اور پھر بطور بیج اپنا وہ غلہ زمین میں ڈالتا ہے۔ جو کما کر وہ اپنے گھر میں لا چکا ہوتا ہے اس امید پر کہ اس کے ہاں موہوم غلہ پیدا ہوگا۔ جو چیز وہ زمین میں ڈالتا ہے وہ یقینی اور قطعی ہوتی ہے اور جو چیز پیدا ہونے والی ہوتی ہے وہ وہمی ہوتی ہے مگر کامیاب وہی زمیندار ہوتا ہے جو ایک وہمی چیز کے لئے اپنی حاضر چیز کو قربان کر دیتا ہے۔ جو زمیندار اس بات کے لئے تیار نہیں ہوتا کہ اپنے حاضر غلہ کو موہوم غلہ کے لئے قربان کر دے، وہ خود بھی آئندہ ترقی سے محروم رہتا ہے اور اپنے ملک کو بھی آئندہ ترقی سے محروم رکھتا ہے۔ اسی طرح اگر کوئی قوم یہ سمجھتی ہے کہ اس کی اولاد کی حاضر زندگی زیادہ قیمتی ہے اور وہ اپنی اولاد کو آئندہ کی زندگی کے حصول کے لئے قربان کرنے کے لئے تیار نہیں ہوتی، وہ بھی اسی طرح تباہ ہو جاتی ہے جس طرح وہ زمیندار تباہ ہو جاتا ہے جو اپنے حاضر غلّہ کو محفوظ رکھتا ہے

اور غائب غلّہ کو نظر انداز کر دیتا ہے۔ بے شک بعض جگہیں ایسی بھی ہوتی ہیں جہاں حاضر چیزیں غائب چیزوں سے زیادہ اہم ہوتی ہیں۔ لیکن ایسے بھی مواقع ہوتے ہیں جہاں غائب چیز حاضر چیز سے زیادہ بہتر ہوتی ہے۔ ایک شخص جھوٹ بول کر اپنی جان بچا لیتا ہے۔ جھوٹ بول کر اپنی جان بچا لینا ایک حاضر فائدہ ہے۔ اور سچ بولکر اللہ تعالےٰ کی رضا کا حاصل ہونا ایک غائب فائدہ ہے مگر کون کہہ سکتا ہے کہ یہ حاضر چیز غائب سے زیادہ بہتر ہے یا ایک چور چوری کر کے اپنے لئے روٹی کا سامان مہیا کرتا ہے۔ اب اس کا دیانت پر عمل کر کے اس دنیا کی آئندہ زندگی یا اگلے جہاں کی زندگی میں فائدہ حاصل کرنا ایک غائب چیز ہے اور روٹی کا مل جانا ایک حاضر چیز ہے مگر کوئی نہیں کہتا کہ یہ حاضر چیز غائب چیز سے اچھی ہے تو بعض چیزیں غائب ہوتی ہیں مگر وہ حاضر کی نسبت اچھی ہوتی ہیں۔ اور انہی چیزوں میں سے ایک اولاد کی قربانی ہے جس کا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ہمیں نمونہ دکھایا۔ آپ کا اپنی اولاد کو وادیٔ غیر ذی زرع میں رکھنا اور عملی طور پر چھری لے کر اپنے بچے کو قربان کرنے کے لئے کھڑے ہو جانا یہ دو باتیں تھیں جو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کیں۔ خدا تعالےٰ کا منشاء یہی تھا کہ وہ وادیٔ غیر ذی زرع میں جا کر اپنے بچے کو چھوڑ آئیں اور خدا تعالےٰ کے ذکر اور اس کے کلمہ کے اعلاء کے لئے اسے وقف کر دیں۔ مگر اللہ تعالےٰ نے انہیں نظارہ یہ دکھایا کہ وہ اپنے بیٹے کو قربان کر رہے ہیں۔ اللہ تعالےٰ جانتا تھا۔ کہ اگر خواب میں مَیں نے ابراہیمؑ کو یہ نظارہ دکھایا کہ وہ اپنے بیٹے کو قربان کر رہا ہے تو وہ واقعہ میں اپنے بیٹے کو ظاہری رنگ میں قربان کرنے کے لئے تیار ہو جائے گا۔ اور چونکہ اللہ تعالےٰ ابراہیمؑ کے ذریعہ آئندہ انسانی جان کی قربانی کو ہمیشہ کے لئے ممنوع قرار دینا چاہتا تھا اس لئے اس نے بجائے یہ کہنے کے کہ اے ابراہیمؑ جا اور اپنے بچے کو وادیٔ غیر ذی زرع میں چھوڑ آ، یہ نظارہ دکھایا کہ وہ اپنے بچے کو قربان کر رہے ہیں۔ تا کہ جب وہ اپنے بچے کو قربان کرنے لگیں انہیں روک کر ہمیشہ کے لئے انسانی قربانی کو ممنوعہ قرار دے دیا جائے۔ چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ویسے ہی کیا۔ انہوں نے چھری پکڑی اور اپنے بچے کو قربان کرنے کے لئے تیار ہو گئے۔ جب وہ اس فعل پر کلّی طور پر تیار ہو گئے تو خدا تعالےٰ نے انہیں روک دیا اور فرمایا آئندہ خدائی سلسلوں میں انسان کی قربانی قبول نہیں کی جائے گی، تم اس کی بجائے بکرا ذبح کر دو[۵]۔ اس طرح انسانی قربانی بھی بند ہو گئی، حضرت ابراہیم علیہ السلام کا امتحان بھی ہو گیا اور حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کو ایک وادیٔ غیر ذی زرع میں چھوڑنے کے نتیجہ میں ان کا رؤیا بھی پورا ہو گیا بہرحال اللہ تعالےٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اس قربانی کی یادگار میں کہ وہ اپنے بیٹے کو خدا تعالیٰ

کی راہ میں ذبح کرنے کے لئے تیار ہو گئے تھے بکرے کو رکھا تھا مگر ہم تمثیل کو قبول کرتے ہیں اور حقیقت کو رد کرتے ہیں۔ ہماری زندگیاں گذرتی چلی جاتی ہیں۔ ہماری اولادوں کی زندگیاں گذرتی چلی جاتی ہیں، ہمارے بھائیوں کی زندگیاں گذرتی چلی جاتی ہیں۔ ہمارے ہمسایوں کی زندگیاں گذرتی چلی جاتی ہیں مگر ہم میں سے کوئی بھی حضرت ابراھیم علیہ السلام کی قربانی پیش نہیں کرتا لیکن ہم میں سے ہر شخص ابراہیمؑ کے بکرے میں سے گوشت کھانے کے لئے تیار ہو جاتا ہے۔

یہ تو وہی بات ہے جیسے کہتے ہیں کہ کوئی پوربیا مر گیا۔ وہ آسودہ حال تھا اور روپیہ کا استعمال صحیح طور پر کرتا تھا کہیں تجارتوں میں اس نے اپنا روپیہ لگایا ہوا تھا۔ کہیں سود پر روپیہ دیا ہوا تھا۔ کہیں قرض دیا ہوا تھا۔ اس کی وفات کے بعد پوربیوں کے دستور کے مطابق ماتم شروع ہوا۔ پوربیوں میں دستور ہے کہ تمام پوربی جمع ہو جاتے ہیں اور عورت بین ڈالنا شروع کرتی ہے جس میں وہ اپنی مشکلات کا ذکر کرتی ہے اور قوم ان مشکلات کا جواب دیتی ہے گویا وہ ایک قسم کا مشورہ ہو رہا ہوتا ہے۔ وہ اپنے حالات کا ذکر کرتی جاتی ہے اور قوم اسے جواب دیتی جاتی ہے۔ اس طرح سب لوگوں کو معلوم ہو جاتا ہے کہ آئندہ یہ بیوہ اور بچے کس طرح زندگی بسر کریں گے، اسی رواج کے مطابق اس پوربی عورت نے بین ڈالنے شروع کئے۔ کہ ہائے میرے خاوند کے اتنے روپے فلاں کے ذمے تھے اب وہ روپیہ کون وصول کرے گا اس پر ایک پوربیا آگے بڑھا اور اس نے کہا ہم رے ہم۔ پھر اس نے بین ڈالا اور کہا اتنا روپیہ اس نے تجارت پر لگایا ہوا تھا۔ اب کون اس روپیہ کو لے گا۔ اس پر وہ پھر کھڑا ہوا اور کہنے لگا ہم رے ہم۔ پھر اس نے روتے ہوئے کہا کہ فلاں شخص کو اس نے اتنا روپیہ سود پر دیا ہوا تھا اب کون اس سے روپیہ وصول کرے گا۔ اس پر وہ پھر بول اٹھا کہ ہم رے ہم۔ غرض جتنی وصولیاں تھیں وہ اس نے بیان کرنی شروع کر دیں اور ہر وصولی کے ذکر پر وہ پوربیا فوراً جواب دیتا کہ ہم رے ہم۔ اس کے بعد اس نے ذمہ داریاں بیان کرنی شروع کیں اور کہا کہ اس نے فلاں کا اتنا روپیہ قرض دینا تھا۔ اب وہ کون دیگا؟ اس پر وہ پوربیا اپنی قوم کے دوسرے افراد کی طرف منہ کر کے کہنے لگا۔ ارے میں ہی جواب دیتا جاؤں یا کوئی اور بھی بولے گا۔ گویا جب تک وصولیوں کا ذکر تھا وہ ہر وصولی کے ذکر پر آگے بڑھتا اور کہتا ہم رے ہم۔ اور جب قربانی کا وقت آیا تو کہنے لگا ارے میں ہی بولتا جاؤں یا کوئی اور بھی بولے گا۔ یہی حال ہمارا ہے، جب بکرے کے گوشت کھانے کا وقت آتا ہے تو ہم کہتے ہیں ارے ہم رے ہم اور جب بیٹے کی قربانی کا وقت آتا ہے تو ہم بھی اس پوربئے کی طرح یہ کہنے لگ جاتے ہیں کہ ارے کوئی اور بھی بولیگا یا ہم ہی بولتے چلے جائیں۔ ہمیں غور کرنا چاہیئے، کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی کونسی قربانی تھی جس کی یاد تازہ رکھنے کے لئے ہر سال عید منائی جاتی ہے۔ کیا ہر سال اس لئے

عید منائی جاتی ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خدا تعالےٰ کی راہ میں بکرا قربان کیا تھا بکرے کی حیثیت ہی کیا ہوتی ہے اور پھر وہ لوگ جو جنگل میں رہنے والے ہوں اور جن کا گذارہ ہی جانوروں پر ہو، وہ تو بکرے کی کوئی حیثیت ہی نہیں سمجھتے بلکہ بکرے کی قربانی ان کی نگاہ میں انڈے سے بھی زیادہ حقیر ہوتی ہے۔ انہیں انڈے کا میسر آنا زیادہ مشکل ہوتا ہے لیکن بکرا بڑی آسانی سے مل جاتا ہے۔ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے متعلق تو بائیبل سے پتہ لگتا ہے کہ ان کے کئی گلّے تھے اسی طرح ان کے بھتیجے حضرت لوط علیہ السلام کے بھی کئی گلّے تھے کئی نوکر انہوں نے رکھے ہوئے تھے اور جانور اس کثرت کے ساتھ ان کے پاس تھے کہ ان سے وادیاں بھر جاتی تھیں۔ پس بکرے کی قربانی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لئے کچھ بھی مشکل چیز نہیں تھی۔ جو چیز مشکل تھی وہ یہ تھی کہ بڑھاپے کے زمانہ میں پیدا ہونے والا اکیلا بچہ ان کے ہاں موجود ہے اور خدا کہتا ہے کہ اس بچے کو میری راہ میں قربان کردو۔ اور ابراہیمؑ کہتا ہے کہ اے میرے ربّ مَیں اس کے لئے تیار ہوں۔ اور پھر وہ عملی طور پر چھُری ہاتھ میں لے کر اسے ذبح کرنے کے لئے تیار ہو جاتا ہے۔

پھر حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کو وادیٔ غیر ذی زرع میں رکھے جانے کا حکم دینے میں اللہ تعالےٰ کی طرف سے اس طرف بھی اشارہ تھا کہ دُنیا میں جب بھی کوئی نیا سلسلہ اللہ تعالےٰ کی طرف سے قائم کیا جاتا ہے وہ ایک وادیٔ غیر ذی زرع کا سا رنگ رکھتا ہے جس طرح ایسی وادی میں بسنا انتہائی مشکلات کا موجب ہوتا ہے اسی طرح الٰہی سلسلوں میں جو لوگ شامل ہوتے ہیں وہ بھی مقہور و معتوب اور لوگوں کی نگاہ میں مغضوب بن جاتے ہیں۔ لوگ ہر طرح انہیں تکالیف دینے کی کوشش کرتے ہیں اور ہر رنگ میں انہیں دُکھ اور اذیت پہنچاتے ہیں اسلئے انبیاء اور ماموریں کا سلسلہ بھی ایک وادیٔ غیر ذی زرع سے مشابہت رکھتا ہے پھر اس وقت تو اللہ تعالیٰ نے ہمارے لئے وادیٔ غیر ذی زرع کا ایک اَور نظارہ بھی پیدا کر دیا ہے۔ قادیان ہمارا مرکز ہے مگر ان دنوں جو لوگ وہاں بس رہے ہیں، ان کے گذارہ کی کوئی صورت نہیں۔ کیونکہ وہ لوگ وہاں محبوس ہیں اور ہر شخص بغیر کمائی کے اپنی زندگی کے دن بسر کر رہا ہے۔ میں جماعت کے تمام افراد سے پوچھتا ہوں کہ جہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قربانی کی یاد میں وہ بکرے کا گوشت کھاتے ہیں وہاں وہ ان کی اس قربانی کی یاد میں کہ انہوں نے اپنے بیٹے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کو ایک وادیٔ غیر ذی زرع میں جا کر چھوڑ دیا تھا۔ کونسی قربانی پیش کر رہے ہیں۔ قادیان اس وقت ایک وادیٔ غیر ذی زرع کا رنگ رکھتا ہے اور وہاں رہنا اپنے آپ کو بے آب و گیاہ بستی میں جا کر بسا دینا ہے۔ مَیں تم سے پوچھتا ہوں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرح تم میں سے کتنے لوگ ہیں جنہوں نے اس قربانی کے لئے اپنے آپ کو پیش کیا ہے۔

سو میں سے کتنے ہیں جنہوں نے وہاں جانے کے لئے اپنے نام پیش کئے ہیں۔ کیا ایک فیصدی لوگوں نے اب تک اپنے نام پیش کئے ہیں کیا ½ فیصدی لوگوں نے اب تک اپنے نام پیش کئے ہیں؟ کیا ¼ فیصدی لوگوں نے ہی اب تک اپنے نام پیش کئے ہیں؟ اگر اتنے لوگوں نے بھی اپنے آپ کو پیش نہیں کیا تو کونسی قربانی ہے جس کا تم نمونہ دکھا رہے ہو۔ آخر خدا تعالےٰ کے عذاب سے محفوظ رہنے کے لئے نیکی اور تقویٰ اور قربانی کی کوئی نسبت تو ہونی چاہیئے۔

جب حضرت لوط علیہ السلام کی قوم پر عذاب آیا تو خدا تعالےٰ کے بعض مرسل پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اس کی خبر دینے کے لئے گئے۔ قرآن کریم میں بھی اس کا ذکر آتا ہے[۵] اور بائبل میں بھی اس کا ذکر آتا ہے[۶] مگر بائبل چونکہ تاریخی کتاب ہے، اس لئے اس میں زیادہ تفصیل سے یہ واقعہ بیان کیا گیا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام بہت نرم دل انسان تھے۔ انہوں نے مرسلوں سے خبر سُنکر چاہا۔ کہ اللہ تعالےٰ سے درخواست کریں کہ وہ لوطؑ کی قوم کو اس عذاب میں مبتلا نہ کرے چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام یہ خبر سنتے ہی ایک گوشے میں چلے گئے۔ اور انہوں نے دعا کی کہ الٰہی ان بستیوں میں تیرے بڑے بڑے نیک بندے بھی بستے ہیں۔ کیا تو ان نیک لوگوں کو بھی بدوں کے ساتھ تباہ کر دے گا۔ اللہ تعالےٰ نے فرمایا: اے ابراہیمؑ! ان بستیوں کے رہنے والوں نے بڑا ظلم کیا ہے۔ ہمارے بندے لوطؑ نے انھیں بڑا سمجھایا مگر وہ باز نہیں آئے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا۔ اے میرے خدا! بے شک یہ بُرے ہیں۔ مگر تیرا رحم بھی تو بہت بڑا ہے۔ یہ کتنے ہی گندے اور ناپاک کیوں نہ ہوں تیرا رحم تو بہر حال سب پر غالب ہے۔ اور اے میرے رب! کیا تیرے قانون میں بھی یہ بات داخل ہے کہ گیہوں کے ساتھ گھن بھی پس جائے۔ اگر یہ لوگ بُرے ہیں تو ان میں کچھ نیک لوگ بھی ضرور ہوں گے کیا ان نیکوں کا لحاظ بھی نہیں کیا جائے گا اور کیا اگر ایک سو بھی ان میں نیک لوگ موجود ہوں تو ان کی خاطر اس عذاب کو دُور نہیں کر دیا جائے گا۔ اللہ تعالےٰ نے فرمایا اے ابراہیمؑ! اگر ان لوگوں میں سو بھی نیک آدمی ہوں تو مَیں اس بستی کے لوگوں کو کبھی تباہ نہیں کروں گا۔ تب ابراہیمؑ سمجھ گیا کہ اس بستی میں سو بھی نیک آدمی نہیں ہیں اور اس نے کہا۔ اے میرے ربّ سو کیا اور نوّے کیا۔ اگر پورے سو نہ ہوں اور نوّے نیک ہوں۔ تو کیا دس کی کمی کی وجہ سے تیرا رحم آڑے نہیں آئے گا اور وہ ان لوگوں کو تباہی سے نہیں بچائے گا۔ اور اللہ تعالیٰ نے کہا۔ ابراہیمؑ! اگر نوّے بھی نیک آدمی ہوں تو مَیں ان کی خاطر اس بستی کو تباہ نہیں کرونگا تب ابراہیمؑ نے کہا خدایا نوّے کیا اور اسّی کیا۔ نوّے اور اسّی کا فرق تو بہت معمولی بات ہے۔ اتنے معمولی سے فرق کی وجہ سے تو ان پر عذاب نہیں آنا چاہیئے۔ اللہ تعالےٰ نے کہا۔ ان میں اسّی بھی

نیک آدمی ہوں تو میں ان پر اپنا عذاب نازل نہیں کروں گا۔ تب ابراہیمؑ نے سمجھا کہ اگر اسّی نہیں تو ستّر تو ان میں ضرور نیک ہوں گے اور اس نے کہا۔ خدایا اسّی کیا اور ستّر کیا۔ اگر ستّر بھی نیک نکل آئیں تو آخر یہ بھی تو ایک بڑی تعداد ہے۔ اللہ تعالےٰ نے کہا۔ ابراہیم! اگر ان میں ستّر بھی نیک آدمی ہوں تو میں ان کو تباہ نہیں کروں گا۔ اس طرح گفتگو ہوتے ہوتے حضرت ابراہیمؑ نے کہا کہ خدایا اگر ان میں بیس نیک آدمی ہوں تو کیا ان بیس کا لحاظ نہیں کرے گا۔ اور اس بستی کو تباہ کر دے گا۔ اللہ تعالےٰ نے کہا اگر اس بستی میں بیس بھی نیک آدمی ہوں تب بھی میں اسے تباہ نہیں کروں گا۔ تب ابراہیم نے یہ سمجھ کر کہ اس بستی میں بیس آدمی نہیں ہیں کہا۔ خدایا! اگر ان میں دس نیک آدمی موجود ہوں تو کیا ان دس کا لحاظ نہیں رکھا جائیگا اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے ابراہیمؑ اگر ان میں دس بھی نیک آدمی ہوں تو میں ان کو تباہ نہیں کروں گا۔ تب ابراہیمؑ خاموش ہو گیا اور اس نے سمجھ لیا کہ ان بستیوں میں دس بھی نیک آدمی نہیں ہیں اور یہ اس قابل ہیں کہ ان کو عذاب سے تباہ کر دیا جائے۔[۵] تو دیکھو کچھ افراد کی نسبت بھی ایک قابل لحاظ نسبت ہوتی ہے۔ اگر وہ نسبت پوری ہو جائے تو قوم پر سے الزام دور ہو جاتا ہے۔ اور اگر پوری نہ ہو تو ساری قوم الٰہی مواخذہ کے نیچے آجاتی ہے۔ ہماری جماعت کو بھی غور کرنا چاہیئے کہ کیا قربانی کے لحاظ سے اس کے افراد کے اندر وہ نسبت پائی جاتی ہے جو اللہ تعالےٰ کی ناراضگی سے محفوظ رکھنے والی ہوتی ہے۔ اگر نہیں تو یہ کتنے بڑے خوف کا مقام ہے کہ وہ دعویٰ تو ایمان کا کرتے ہیں اور عمل وہ کرتے ہیں جو ایمان کے خلاف ہوتا ہے۔ مَیں سمجھتا ہوں اب بھی اس واقعہ کے بعد جب کہ جماعت اس قربانی میں ہچکچاہٹ محسوس کرتی ہے اور وہ اپنی اولادوں کو اس رنگ میں خدمتِ دین کے لئے پیش کرنے کو تیار نہیں ہوتی اور اگر پوچھا جائے کہ کیا تم خدا کے لئے قربانی کرنے کے لئے تیار ہو تو تم سب کھڑے ہو کر کہنے لگ جاؤ گے کہ ہاں جی! ہم تیار ہیں۔ حالانکہ واقعہ یہ ہو گا کہ تم اوّل درجہ کے مجرم ہو گے۔ یہ تو ویسی ہی بات ہو گی جیسے جیلخانہ میں کوئی شخص تقریر کرے اور کہے کہ چوری نہیں کرنی چاہیئے تو تمام چور کھڑے ہو جائیں اور کہیں کہ ہاں ہاں چوری ہرگز نہیں کرنی چاہیئے، ہم چوری کو بہت بُرا سمجھتے ہیں۔ حالانکہ چور تو چوری کر چکا، اب اس کا یہ کہنا کہ چوری نہیں کرنی چاہیئے کیا حقیقت رکھتا ہے۔ اسی طرح جس فعل کے تم مرتکب ہو چکے ہو اس کے بعد تمہارا یہ کہنا کہ ہم اپنی جانیں خدا تعالےٰ کی راہ میں قربان کرنے کے لئے تیار ہیں اس سے زیادہ جھوٹ اور کیا ہو سکتا ہے۔ حالانکہ مومن کی حالت تو یہ ہوتی ہے کہ اگر کوئی ایسی جگہ پیدا ہو جو وادیٔ غیر ذی زرع کا سا رنگ رکھتی ہو تو اس کا دل خوشی سے اُچھلنے لگتا ہے۔ اور وہ سمجھتا ہے کہ آج مجھے خدا کا شکر ادا کرنا چاہیئے کہ اس نے مجھے بھی ابراہیمی نمونہ دکھانے کا موقعہ دیا۔ یہی وجہ ہے کہ جب سے یہ واقعہ ہؤا ہے مَیں نے یہ عہد کیا ہؤا ہے

کہ مَیں اپنا ایک بیٹا ہمیشہ قادیان میں رکھوں گا۔ اس وجہ سے میرا حق ہے کہ آج مَیں ابراہیمؑ کے ساتھ بکرے کا گوشت کھاؤں کیونکہ جو کچھ ابراہیمؑ نے کیا وہی مَیں نے بھی کیا گو میرا فعل اس شان کا نہیں جس شان کا فعل حضرت ابراہیمؑ کا تھا۔ حضرت ابراہیمؑ نے اپنا اکلوتا بیٹا جو نوے سال کی عمر میں ان کے ہاں پیدا ہوا تھا خدا تعالےٰ کی راہ میں قربان کر دیا تھا اور میرے کئی بیٹے ہیں۔ حضرت ابراہیمؑ کے لئے وہ وادیٔ غیر ذی زرع زیادہ خطرناک تھی۔ آجکل پریس کی وجہ سے کئی قسم کی سہولتیں میسّر ہیں۔ اخبارات کثرت سے شائع ہوتے ہیں اور مظلومیّت کی آواز ساری دنیا میں پھیلائی جا سکتی ہے۔ اگر آجکل ان لوگوں پر جو قادیان میں رہتے ہیں مظالم ہوں، یا وہ مارے جائیں تو ہم ساری دنیا میں اس کی تشہیر کر سکتے ہیں اور اس اشاعت سے بھی ظالم لوگ ڈرتے ہیں۔ پس اس میں کوئی شبہ نہیں کہ میری پیش کردہ قربانی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قربانی کا مقابلہ نہیں کر سکتی لیکن اپنے حالات میں ہی ہر شخص قربانی کیا کرتا ہے۔ اگر ابراہیمؑ کا صرف ایک بیٹا تھا اور میرے زیادہ بیٹے ہیں یا اس زمانہ میں پریس کی وجہ سے خبروں کی اشاعت کے سامان موجود ہیں اور پریس ظلم کے کم کرنے میں مدد دیتا ہے تو یہ میرے بس کی بات نہیں۔ مَیں نے خدا سے یہ نہیں کہا تھا کہ میرے اتنے بیٹے کر دے تب مَیں ابراہیمؑ کی طرح قربانی کروں گا۔ یا پریس جاری کر دے تب میں قربانی کروں گا۔ یہ خدا کا فعل ہے۔ میرا فعل نہیں۔ پس جو فرق ہے وہ خدائی فعل کے نتیجہ میں ہے۔ میری خواہش کے نتیجہ میں نہیں۔ یہ سوال کہ اگر ایسا نہ ہوتا تو مَیں کیا کرتا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ میرا دل تو یہی کہتا ہے کہ مَیں اس وقت بھی ابراہیمؑ کی نقل ہی کرتا۔ لیکن بہرحال موجودہ حالات نے میری قربانی اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قربانی میں ایک بہت بڑا فرق پیدا کر دیا ہے۔

پھر اب ایک اور وادیٔ غیر ذی زرع اس رنگ میں بھی ہمارے سامنے ہے کہ ہم مرکز سلسلہ کے لئے ایک نئی بستی اسی قسم کے مقام پر بسا رہے ہیں یہ بستی بھی اسی لئے بسائی جا رہی ہے کہ بد ماحول اور بُرے خیالات سے الگ ہو کر ہماری جماعت کے افراد دین کی تعلیم حاصل کریں اور پھر اسلام اور احمدیت کی اشاعت کے لئے اپنے آپ کو وقف کر دیں۔ یہ ایک چھوٹی قربانی ہے جس کے ذریعہ جماعت کے افراد اپنے اخلاص کا ثبوت دے سکتے ہیں اور دیں گے مگر عملاً وہی ثبوت دیں گے جو اس بات کو مدِّنظر رکھیں گے کہ ہمارا اس وادیٔ غیر ذی زرع میں رہنا صرف اس غرض کے لئے ہے کہ ہم دین کی اشاعت کریں۔ اس کے بغیر اگر وہاں رہیں گے تو انہیں کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔

بہرحال مَیں جماعت کو اس امر کی طرف توجہ دلاتا ہوں کہ کوئی قومی ترقی بغیر اولاد کی

قربانی کے نہیں ہوسکتی۔ جو قوم یہ چاہتی ہے کہ وہ ترقی یافتہ قوموں کی صفوں میں جا کھڑی ہو اور پھر وہ اپنی اولاد کی قربانی سے دریغ کرتی ہے وہ ایک ناممکن بات کا قصد کرتی ہے اور اپنے وقت کو ضائع کرتی ہے۔ گری ہوئی قومیں تبھی بڑھتی ہیں اور تبھی وہ ترقی یافتہ قوموں کی صفوں میں اپنا رستہ بنانے میں کامیاب ہوتی ہیں جب وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرح اپنی اولادوں کو وادی غیر ذی زرع میں رکھنے اور خدا کے لئے انہیں قربان کرنے کے لئے تیار ہوں۔ جب وہ مرنے پہ آمادہ ہو جاتی ہیں، جب وہ اپنی اولادوں کو قربان کرنے کے لئے تیار ہو جاتی ہیں تو اللہ تعالےٰ کے قانون کے ماتحت اس وقت کی زندہ قوموں کی زندہ نسلیں مر جاتی ہیں۔ یہ قانونِ قدرت ہے جس کا ہر جگہ مشاہدہ کیا جا سکتا ہے۔ بوڑھا درخت مرتا ہے اور نیا درخت ترقی کرتا ہے۔ پس دنیوی لحاظ سے بھی ترقی کی یہی راہ ہے کہ اپنی اولادوں کو قربان کیا جائے۔ اگر مسلمان چاہتے ہیں کہ وہ یورپ کے لوگوں پر غلبہ حاصل کریں تو انہیں اپنی اولادوں کو قربان کرنا پڑے گا۔ انہیں تعیش کے سامانوں کو اپنے لئے حرام کرنا پڑے گا یہ موت ہے جو انہیں قبول کرنی پڑے گی، اسی موت کے دروازہ سے زندگی ملتی ہے اور اسی دروازہ میں سے گذر کر گری ہوئی قومیں دنیا پر غالب آیا کرتی ہیں۔ اگر آج مسلمان اپنی زندگیوں کو سادہ بنالیں اور اپنی جانوں اور اپنی اولادوں کی جانوں کو اللہ تعالےٰ کی راہ میں قربان کرنے کے لئے تیار ہو جائیں تو اب بھی کچھ نہیں گیا۔ جس وقت عیسائیت بڑھنی شروع ہوئی ہے، اس وقت اسلام کے مقابلہ میں عیسائیت کی جو حالت تھی، آج عیسائیت کی ترقی کے زمانہ میں مسلمانوں کی حالت اس سے بدرجہا اچھی ہے۔ اگر عیسائیت ہم سے کمزور ہو کر ساری دنیا پر غالب آسکتی ہے تو مسلمان ساری دنیا پر کیوں غالب نہیں آسکتے۔ اگر وہ اپنے نفس میں تغیر پیدا کریں اگر وہ اپنی اولادوں کو شیطان کے قبضہ میں دینے کی بجائے خدا تعالےٰ کے قبضہ میں دے دیں، تو یقیناً اسلام کفر پر غالب آسکتا ہے، یقیناً محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حکومت آج بھی ساری دنیا پر قائم ہوسکتی ہے۔

خدا تعالےٰ سے دعا ہے کہ وہ مسلمانوں کے دلوں کے زنگ دور کر دے۔ اور ان کی آنکھوں کو کھولے۔ ان کی غفلتوں اور کوتاہیوں کو دور کرے اور انہیں صحیح طور پر کام کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ تا جس طرح وادیٔ غیر ذی زرع میں بسنے والے اسمٰعیلؑ کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے ایک نورانی چراغ محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صورت میں روشن کیا جس سے تمام دنیا جگمگا اٹھی۔ اسی طرح خدا محمدیت کے باغ میں سے ایک نیا پودہ پھوڑے جو ساری دنیا کو اسلام اور صداقت کی طرف کھینچ لانے کا موجب ہو۔ بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ وہ پودا خدا نے

پیدا کر دیا ہے۔ کاش مسلمانوں کی آنکھیں کھلیں۔ اور وہ سمجھیں کہ آج سوائے ایک ہاتھ پر جمع ہونے کے ان کی نجات کی اور کوئی صورت نہیں اور اسی شخص کے ہاتھ پر تمام دنیا کے لوگ اکٹھے ہوسکتے ہیں جسے خدا نے کھڑا کیا ہو کوئی انسانی ہاتھ ساری دنیا کو متحد نہیں کرسکتا، عرب عراق کے ہاتھ پر جمع نہیں ہوسکتا، عراق سعودی عربیہ کے ہاتھ پر جمع نہیں ہوسکتا، مصر شام کے ہاتھ پر اکٹھا نہیں ہوسکتا۔ اور یہ عربی علاقے پاکستان کے ہاتھ پر اکٹھے نہیں ہوسکتے۔ اور پاکستان ان کی اتباع نہیں کرسکتا۔ ہر شخص کو اپنی آزادی پیاری ہوتی ہے۔ کون ہے جو دوسرے کیلئے اپنی آزادی قربان کر دے۔ اس کے لئے اپنی آزادی قربان کی جاسکتی ہے جس کے متعلق انسان کو یہ یقین ہو۔ کہ اس کا ہاتھ انسان کا ہاتھ نہیں بلکہ خدا کا ہاتھ ہے۔

ابھی تھوڑے دن ہوئے ایک جرمن نومسلم کا خط میرے نام آیا جو بڑے اخلاص اور محبت کے ساتھ لکھا ہوا تھا۔ میں نے اسے جواب میں لکھا کہ کیا یہ ممکن تھا کہ جرمنی کے لوگ ہندوستانیوں کی فرمانبرداری اور اطاعت کرتے۔ یہ خدا کا ہاتھ ہی ہے جو تمہیں ہندوستان میں رہنے والے ایک شخص کی طرف کھینچ لایا۔ ورنہ وہ لوگ جو ایشیا اور ہندوستان میں رہنے والوں کو ذلیل سمجھا کرتے تھے ان سے یہ کب امید ہوسکتی تھی کہ وہ ان کی اطاعت کریں گے۔ یہ خدا کے ہاتھ کی ہی برکت ہے کہ اسی ہاتھ پر سب دنیا جمع ہوگی اور اسی سے ساری دنیا ایک دن عدل اور انصاف سے بھر جائے گی۔

اب میں دعا کرتا ہوں۔ سب دوست میرے ساتھ اس دعا میں شامل ہوں کہ اللہ تعالےٰ ہماری جماعت کو حقیقی طور پر ابراہیم علیہ السلام کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ اور باقی مسلمانوں کی بھی آنکھیں کھولے تا وہ اپنے اس فرض کو پہچانیں جو ان پر عائد ہوتا ہے اور محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کا وہ نور جو آج دنیا کی آنکھوں سے پوشیدہ ہے اور جس کے متعلق اللہ تعالےٰ یہ چاہتا ہے کہ وہ ہمارے ذریعہ سے پھر ظاہر ہو اس میں وہ اپنی غفلتوں اور سستیوں سے روک نہ بنیں بلکہ اس جماعت میں شریک ہوکر اللہ تعالےٰ کے نور کے پھیلانے میں ممد ہوں تا جلد سے جلد اللہ تعالےٰ کا فضل نازل ہو اور وہ اس دنیا کی حالت کو بدل دے۔

(الفضل ۸ ؍مارچ ۱۹۴۹ء)

لے ۔ سنن کبریٰ جلد ۳ صفحہ ۲۰۳

سے ۔ سنن نسائی کتاب صلوٰۃ العیدین باب القصد فی الخطبۃ

۵۳ - الصّٰفّٰت ۳۷ : ۱۰۳ تا ۱۰۸

۵۴ - ابراھیم ۱۴ : ۳۸

۵۵ - پیدائش باب ۲۲ آیت ۱۴

۵۶ - پیدائش باب ۱۳ آیت ۲ تا ۶

۵۷ - ہود : ۷۰-۷۱ - الذّٰریٰت ۵۱ : ۲۵-۲۷-۳۲ تا ۳۷

۵۸ - پیدائش باب ۱۸ آیات ۲ تا ۶ - ۲ تا ۲۲

۵۹ - پیدائش باب ۱۸ آیات ۲۳ تا ۳۲

۶۰ - حضور رضی اللہ عنہ کے اس عہد کے مطابق پہلے حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب (خلیفۃ المسیح الثالث ایدہ اللہ) قادیان میں رہے۔ آپ ۱۷ نومبر ۱۹۴۷ء کو پاکستان تشریف لائے۔ آپ کے بعد حضرت صاحبزادہ مرزا خلیل احمد صاحب اور پھر ۵ مارچ ۱۹۴۸ء سے اب تک صاحبزادہ مرزا وسیم احمد صاحب قادیان میں درویشانہ زندگی گذار رہے ہیں (تاریخ احمدیت جلد ۱۱ صفحہ ۳۵ جلد ۱۳ صفحہ ۷)